DAILY EXPRESS

ایکسپریس

نرم گرم

زاہدہ حنا

zahedahina@hotmail.com

ابن صفی اور ذہنی شطرنج کا تیسرا کھلاڑی

سراغ رسانی یا مزیت پر مبنی بیشتر کہانیاں ذہنی شطرنج کے زمرے میں آتی ہیں جسے کھیلنے والے دو ہوتے ہیں۔ مجرم اور اس جرم کا کھوج لگانے میں مصروف شخص جو قانون کے شانے سے شانہ ملائے کھڑا رہتا ہے اور پڑھنے والا اس ذہنی شطرنج کا تیسرا کھلاڑی ہوتا ہے۔ اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ ہر چال کو ذہن میں محفوظ رکھتے ہوئے کہانی کے اختتام سے پہلے جرم کی اس چیستاں کو بوجھ لے لیکن عموماً یہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگاتھا کرسٹی کے ناول ''مرڈر آف راجر ایکرائڈ'' کا اختتام بھلا کس کے تخیل میں آسکتا تھا۔ اگاتھا کرسٹی کی کئی کہانیاں میں نے ترجمہ کیں ان میں 'مرڈر آف راجر ایکرائڈ' کی تخصیص بھی شامل ہے۔ مختلف رسائل کو انٹرویو دیتے ہوئے میں نے کبھی یہ کہتے ہوئے کوئی الجھن محسوس نہیں کی کہ ابتدائی عمر میں جاسوسی ناول شوق سے پڑھتی رہی ہوں۔ ''فسانۂ آزاد'' اور ''آگ کا دریا'' کے سحر میں گرفتار ہونے کے باوجود صفی صاحب کے کرداروں اور ''ڈی وانچی کوڈ'' اور ''پیلکن بریف'' سے بھی رشتہ قائم رہا۔

ابن صفی کے بھی عجب نصیب تھے کہ زندگی میں وہ عوام کے محبوب ترین لکھنے والے رہے لیکن خواص نے انھیں کبھی نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ یہ اعزاز ان ہی کو حاصل ہوا کہ جس روز ان کا ناول شایع ہونے کی تاریخ ہوتی تھی ان کی تحریروں کے شائقین بک اسٹال پر ہجوم کرتے تھے۔ اب کچھ دنوں سے ابن صفی صاحب کے نام کا چرچا ادبی حلقوں میں ہونے لگا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ان کے چند ناول انگریزی میں ترجمہ ہوگئے ہیں اور ان کے مترجم مشہور ادیب اور نقاد شمس الرحمان فاروقی ہیں۔ ہمارے یہاں کے نوجوان ادیب آصف فرخی نے ابن صفی پر ایک مضمون میں لکھا ہے کہ ''فاروقی صاحب نے ابن صفی کی غیر معمولی کامیابی کی وجہیں تلاش کی ہیں۔ ان کہانیوں کا مزاج عصر حاضر سے تعلق، عالمی سیاست سے ربط، جو ایک غیر جانب دار مصنف کے شعوری احساس کی پیداکردہ ہے۔ ان کے یادگار کرداروں، طرز بیان کی تیزی اور تخیل کے زور پر نئی نئی صورتحال پیدا کرنے کی قوت پر مبنی ہے۔''

یہ بات بھی کہی جانے لگی ہے کہ انھوں نے اب سے چالیس پچاس برس پہلے عالمی طاقتوں کی پنجہ آزمائیوں اور دہشت گردی کے گرداب کو وجدانی طور پر محسوس کرلیا تھا اور ان کے بارے میں ایسی باتیں لکھیں جو بعد میں رونما ہوئیں۔ 70ء کی دہائی میں جب آئی ایس آئی اپنے قیام کے ابتدائی مرحلوں میں تھی، اس نے صفی صاحب کی خدمات حاصل کی تھیں اور مرحوم نے اس خفیہ ایجنسی سے وابستہ ہونے والے نئے افسران کو سراغ رسانی اور بہ طور خاص غیر ملکیوں ایجنسیوں کے حوالے سے کئی لیکچر دیے تھے۔

ساؤتھ ایشین انسٹیٹیوٹ، ہائیڈل برگ سے وابستہ ایک اہم دانشور کرسٹینا اوبسٹر ہیلڈ ہیں۔ وہ انسٹیٹیوٹ میں شعبہ اردو کی سربراہ ہیں۔ نہایت عالم فاضل منکسر المزاج خاتون۔ ایک کانفرنس کے سلسلے میں جب ان سے ہائیڈل برگ میں ملاقات ہوئی تو یقین نہیں آیا کہ یہ وہی ہیں جنھوں نے قرۃ العین حیدر کے ناولوں پر پی ایچ ڈی کیا اور ''آخر شب کے ہم سفر'' کو جرمن زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ کچھ دنوں پہلے کرسٹینا نے ساہتیہ اکیڈمی دہلی میں ابن صفی پر لیکچر دینے کے بعد ایک صحافی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ''ان کے ڈھائی سو ناولوں میں سے 25 کے لگ بھگ ناولوں کو پڑھ لیا ہے اور ان میں سے کچھ جرمن میں ترجمہ بھی کیے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ ''ابن صفی کی جس بات سے میں سب سے زیادہ متاثر ہوئی ہوں، وہ یہ ہے کہ ان کے کردار ''فریدی'' اور ''عمران'' کبھی کسی عورت کی جانب نگاہ بد ڈالتے نظر نہیں آتے۔''

صفی صاحب کے ناولوں کے ہندی تراجم کے بارے میں لاٹروب یونیورسٹی کے پیٹر فریڈلارڈ نے تفصیل سے لکھا ہے۔ ان ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ناولوں کو ہندی میں ترجمہ کرنے والے پریم پرکاش نے کرنل فریدی کو کرنل ونود کا نام دیا لیکن کیپٹن حمید کا نام نہیں بدلا۔

صفی صاحب کو ان کے پڑھنے والے چاہتے نہیں، پوجتے تھے۔ لیکن انھیں اس بات کا گلہ رہا کہ ان کے اردگرد رہنے والے ادیبوں نے ان کا اعتراف نہیں کیا۔ یہ وہی ادیب، شاعر اور محقق تھے جو چھپ کر ان کے ناول پڑھتے تھے لیکن اسے مانتے ہوئے ڈرتے تھے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ اس طرح ان کی ادبی حیثیت میں کمی آجائے گی۔ انھوں نے 8 برس کی عمر سے داستانِ طلسم ہوشربا کی سیر کی تھی اور یہی وہ داستان ہے جس نے ان کے خلاق ذہن کو مہمیز کیا اور وہ اسرار و رموز کی دنیا کی سیر کو نکل گئے۔ انھوں نے یہ تحریری سلسلہ اردو کے ایک اہم ادیب علی عباس حسینی کی فرمائش پر شروع کیا تھا اور پھر یہیں ان کا فن ٹھہرا۔ یہ ان کی خوش بختی ہے کہ ان کے تنگ دل ہم عصروں اور دوستوں کے بعد کی نسل دیانتدار ہے اور ان کا اعتراف کرتی ہے۔ ان کے بیٹے احمد صفی کراچی لٹریچر فیسٹیول 2012ء کے اسٹیج پر بیٹھے ہوئے ان کے بارے میں بہت سی باتیں کر رہے تھے اور ہال بھرا ہوا تھا۔ لیکن اصل داد ان پر تحقیق کرنے والے راشد اشرف اور دلی میں رہنے والے ایک بہت اچھے افسانہ نگار خالد جاوید کو ملنی چاہیے جنھوں نے ان سے دلی وابستگی کا حق ادا کر دیا ہے۔

انھوں نے فریدی سیریز کے 125 اور عمران سیریز کے 116 ناول لکھے۔ ان جاسوسی ناولوں کا سلسلہ الہ آباد سے شروع ہوا تھا، پھر وہ پاکستان آئے تو یہاں سے لکھنے لگے۔ زیادہ ناول انھوں نے پاکستان آکر لکھے۔ کسی بھی ناول میں دونوں ملکوں کے کسی شہر کا نام نہیں لیا گیا لیکن فضا بر صغیر کی ہے۔ ان کا ایک ناول ''شمال کا فتنہ'' تھا۔ مجھے اس کا مرکزی خیال یاد نہیں لیکن شاید اس میں ہماری شمالی سرحدوں سے اٹھنے والے اس سیلاب بلا کا ذکر ہو جو آج ہمیں ڈبونے پر تلا ہوا ہے۔

رمزیت، سریت اور سراغ رسانی پر مبنی کہانیوں اور ناولوں پر نظر ڈالیے تو یہ 19 ویں صدی کا آغاز تھا جب انگلستان اور امریکا میں اسرار اور تحیر جیسے موضوعات پر لکھنے والے تیزی سے منظر عام پر آ رہے تھے۔ رائیڈر ہیگرڈ، ایچ جی ویلز، او ہنری، مارک ٹوائن، ولکی کولنس، ایڈگر ایلن پو معتبر ادیب تھے اور اس کے ساتھ ہی رمزیت اور سریت پر مبنی ان کی کہانیوں اور ناولوں کی بھی دھوم تھی۔ یہ 1887ء تھا جب آرتھر کانن ڈائل کے ناول ''اے اسٹڈی ان اسکارلٹ'' کے صفحوں پر اسرار و سراغ رسانی کی دنیا کے مشہور زمانہ کردار شرلاک ہومز کا ظہور ہوا جو بعد میں اپنے پڑھنے والوں کے لیے ایک حقیقی فرد بن گیا۔ آرتھر کانن ڈائل نے انیسویں صدی میں لکھی جانی والی کہانیوں میں اس کے گھر کا جو پتہ لکھا اس پر آج تک شرلاک ہومز کے نام دنیا جہان سے خط آتے ہیں اور لوگ اس سے اور ڈاکٹر واٹسن سے پیچیدہ مسائل کا حل پوچھتے ہیں۔ یہ ڈاک B-221، بیکر اسٹریٹ، لندن کے پتے پر آتی ہے۔ اس گھر میں شرلاک ہومز میوزیم قائم ہے جہاں صبح سے شام تک آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

میرے بچپن کی یادوں میں ظفر عمر کی ''نیلی چھتری'' تیرتھ رام فیروز پوری کے ترجمہ شدہ جارج رینالڈز کے ناول ''اسرارِ دربارِ لندن'' سر آرتھر کانن ڈائل کا ''آتشیں کتا'' اور نہ جانے کتنے دوسرے ناولوں کی ہنگامہ خیزیاں ہیں۔ اردو کے کچھ ہی دنوں بعد انگریزی پڑھنی آئی تو جیسے ہفت اقلیم کے خزانے دسترس میں آ گئے۔ ایک طرف کلاسیکی ادب تھا جس میں سوفوکلیز سے شیکسپیئر، ڈکنز، ہارڈی، آسکر وائلڈ، ورجینیا وولف سب ہی شامل تھے اور اس کے ساتھ ہی سر آرتھر کانن ڈائل، اگاتھا کرسٹی، ایڈگر ایلن پو، ڈور تھی سیرز، سر رائیڈر ہیگرڈ، ڈینس وہیٹلے اور ان کے علاوہ بہت سے دوسروں کی تحریریں پڑھیں۔

ہمارے یہاں کچھ دنوں پہلے تک جاسوسی ناولوں اور ان کے لکھنے والوں کو دوسرے بھی نہیں تیسرے درجے کا لکھنے والا سمجھا گیا ہے۔ مغرب میں آرتھر کانن ڈائل اور رائیڈر ہیگرڈ کو تخیلاتی اور مہماتی ناول لکھنے پر ''سر'' کا خطاب ملتا ہے۔ اگاتھا کرسٹی پہلے کمانڈ آرڈر آف دی برٹش ایمپائر اور پھر ڈیم کمانڈر آف دی برٹش ایمپائر ہوئیں۔ ملکہ الزبتھ ان سے اشتیاق سے ملتی تھیں اور ان کے ناول پڑھتی تھیں۔ ان کے ناول ThereWasNone AndThen کو انصاف کے موضوع پر ایک اعلیٰ تحریر قرار دیا جاتا ہے۔ یہ ناول ایسے مجرموں کو سزا دینے کے موضوع پر ہے جو قانون کے چنگل سے بچ نکلے تھے اور پھر ایک نامعلوم منصف یکے بعد دیگرے انھیں عجب انداز میں سزا دیتا ہے۔

صفی نے ''پہلا شعلہ'' ''دوسرا شعلہ'' ''تیسرا شعلہ'' اور ''جہنم کا شعلہ'' جیسے دلچسپ ناول لکھے۔ آج انھیں پڑھیے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم اپنے ملک میں خفیہ ایجنسیوں کی ریشہ دوانیوں، سازشوں اور غیر ملکی مداخلتوں کا قصہ پڑھ رہے ہیں۔ افسوس کہ ہمارے یہاں کرنل فریدی، کیپٹن حمید اور عمران موجود نہیں جو ہمیں ان عذابوں سے نجات دلا سکیں۔